ظفر اقبال ظفر کی شاعری میں اہلِ بیت سے عقیدت کا اظہار

[1]ڈاکٹر عذرا پروین [2]صائمہ سلیم

Abstract:

Zafar Iqbal Zafar belongs to Tehsil Shujabad District Multan. He Started his poetic carrier in 2000 with a book of poems and ghazals named; Aao Khushbu Chunain. His most work is about elegy (Marsia Goi). He wrote his six books about religious tragedy. Zafar Iqbal Zafar wrote about open verse, close verse, structure of Ghazal, Elegy, tragic poems. He tried to express the objectives of Hussain (R.A). He tried hard to differentiate between Maktab-e-Hussain and Maqtal-e-Hussain. He narrates about Hussain's place in hearts and discloses his greatness. In-short he advises today's Muslims to follow his footsteps by narrating his great objective of sacrifice which Hussain (R.A) gave for Islam.

Keywords: Zafar Iqbal Zafar, Epic, Metaphor, Hussainiat, Tragedy, Patience.

کلیدی الفاظ: رثائی ادب، حسنِ ترتیب، حسینیت، گریہ و ماتم، فکر و خیال، مقتلِ حسین، مکتبِ حسین، عزاداری، مرقع نگاری، تلمیحات، ابلاغ، الم، صبر و استقامت

مرثیے کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں اردو مرثیے کے آغاز کے سلسلے میں محققین کی تقریباً متفقہ یہ رائے ہے کہ دکن وہ مقام ہے جہاں سے مرثیے کی ابتدا ہوئی۔ ابتدائی دور میں بہت سے مرثیے، غزل اور مثنوی کی شکل میں لکھے گئے لیکن بعد ازاں ''مسدس'' سب سے زیادہ موزوں ہیئت ٹھہری۔

دکن میں مرثیے کی روایت اس حد تک مضبوط ہوئی کہ وہاں سے پھر یہ شمالی ہند اور دلی تک پہنچ گئی یہاں مرزا رفیع سودا نے مرثیے کا دامن تھاما اور ان کے ساتھ ہی میر نے بھی اس صنف پر توجہ دی لیکن مرثیہ کی

1 لیکچرر، شعبہ اردو، دی ویمن یونی ورسٹی، ملتان

2 اسکالر ایم فل، شعبہ اردو، دی ویمن یونی ورسٹی، ملتان

اصل نشوونما اس وقت ہوئی جب اہل لکھنو نے اس صنف میں قدم رکھا۔ یہاں سکندر، گدا، ناظم اور فسردہ ایسے شعرا کرام نے مرثیہ نگاری میں بہت نام کمایا لیکن درحقیقت ضمیر نے مرثیے کے کل اجزا کو حسن ترتیب عطا کی۔ بالآخر انیس و دبیر کا زمانہ آگیا جن کی بدولت مرثیہ ایک مضبوط ترین صنف بن گیا۔اب انیس و دبیر نے اپنی مہارت سے اس صنف کو زمین سے آسمان پر پہنچایا۔

وقت گزرتا رہا اور تقسیم و فسادات کے نتیجے میں بیشتر شعرا کرام ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر آئے۔ یہیں سے جدید مرثیہ کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ جتنے بھی شعرا کرام دبستان کراچی اور دبستان پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے کلام میں یہ جدت پائی جاتی ہے کہ انھوں نے محض اہل بیت کی مشکلات و مصائب کا ذکر نہیں کیا بلکہ اُن کی شہادت کا عظیم مقصد اور حسینیت کا بیان کیا ہے۔

دبستان کراچی میں جن شعرا کرام نے جدید مرثیے کی بنیاد ڈالی ان میں نسیم امروہوی، صادقین، تاثیر نقوی، رئیس امروہوی اور سالک نقوی کے نام شامل ہیں۔ حقیت تو یہ ہے کہ پاکستان میں کراچی کے ادبی مرکز نے ہی مرثیے کی روایت کو مستحکم بنایا اور آگے بڑھایا۔ جہاں تک پنجاب بالخصوص شمالی پنجاب کے مرثیہ نگاروں کا تعلق ہے تو لاہور کے مرثیہ نگاروں میں علی کوثر زیدی، حشمت علی، زاہد بخاری، طاہر ناصر علی وغیرہ کے اہم نام شامل ہیں۔ان سب کا رجحان بھی جدت کی طرف ہے، یہاں اس صنف میں مزید نکھار آیا اور مرثیہ اپنا سفر طے کرتا ہوا جنوبی پنجاب تک پہنچ گیا۔ ملتان میں مرثیہ نگاری کی روایت میں ڈاکٹر عاصی کرنالی، حسن رضا گردیزی، حیدر علی گردیزی، اقبال ارشد، اصغر علی شاہ، قمر رضا شہزاد، شوکت رضا شوکت، حشمت رضا بہلول، شوذب کاظمی اور حسین سحر شامل ہیں۔

شجاع آباد، ضلع ملتان کی ایک تحصیل ہے جو شاعری کے حوالے سے ملتان جتنی زرخیز نہ سہی مگر کچھ ایسی بنجر بھی نہیں۔ شجاع آباد کے مرثیہ نگاروں میں شوق، فوق، شفیع مضطر اور محمد اعظم ونیس کے نام قابل ذکر ہیں۔

شجاع آباد میں جس شاعر نے مرثیہ پر جم کر کام کیا وہ ظفر اقبال ظفر ہیں۔ اب تک اُن کی رثائی ادب کے حوالے سے چھے کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ شجاع آباد کی تحصیل سے تعلق رکھنے والے اس شاعر نے مرثیہ گوئی کی روایت کو ایک نئی جہت فراہم کی، روضہ خوانی کو مقتلِ حسین سے نکال کر مکتبِ حسین تک لائے۔

ظفر اقبال ظفر کی شاعری مرثیہ نگاری کے حوالے سے غم کے اظہار کی تمثیل ہے ان کی عزاداری زخم نہیں دیتی بلکہ جوش وجذبہ پیدا کرتی ہے۔ان کے مراثی منفرد آواز اور نئے اسلوب کا احساس دلاتے ہیں۔ وہ اپنے لہجے اور فکر میں جدت کے باعث جنوبی پنجاب کے ایک منفرد مرثیہ نگار بن چکے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

> ''ظفر اقبال ظفر ہر جگہ، مقام اور ہر منزل پر اظہار خیال کے حوالے سے اپنے لہجے میں اور اپنے امتیازی اسلوب میں شعر کہتے ہیں اور میں نہایت یقین، خود اعتمادی اور ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ ہر مصرع، ہر شعر اور ہر کلام میں اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔''(1)

ظفر اقبال ظفر نے مرثیہ کو تخیل آفرینی اور لفظی جادو گری کے ماحول سے نکال کر اسے جذبوں کی سچائی اور حقیقت پسندی کے ساتھ خوبصورت، پرجوش اور پر اثر الفاظ کا پیراہن دیا۔

ظفر اقبال ظفر نے اپنے متنوع موضوعات کے ذریعے جہاں اپنے لبوں پر کربلا کے پرسوز ترانے سجائے ہیں، وہیں اپنے قلم کے ذریعے ان ناسوروں کی بھی نشاندہی کی جس کے سبب کربلا کا سفر آج بے سمت ہوا:

حسینؑ جن کو تیری بارگاہ ملتی ہے
غم سے ان کو پناہ ملتی ہے2

ظفر اقبال ظفر نے اپنے مرثیوں میں امام عالی مقام کے جہادِ حق اور قربانی و ایثار میں پوشیدہ درس کو عملی طور پر اختیار کرنے پر زور دیا۔انھوں نے امام عالی مقام کے وہ خاص اوصاف بیان کیے جو تربیت پیغمبری کے عطا کردہ ہیں:

مجھے حسینؑ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا
میں اُس نواسۂ احمدؐ کی بات کرتا ہوں

جسے زبانِ رسالت حسینؓ کہتی ہے[3]

ہم جانتے ہیں کہ مرثیے کا موضوع عموماً جنگی مہارتوں، شجاعت، بہادری، تلواروں اور نیزوں کی بھر مار رہا ہے۔ مگر ظفر اقبال ظفر نے مرثیے کو جس نئی جہت سے روشناس کروایا وہ عہد حاضر کے حالات کو کربلا کے واقعے کے تناظر میں پیش کرنا ہے:

قدم قدم پر ظفر اک حسینؓ چاہیے پھر
یزیدِ وقت جہاں بے شمار ہو جائیں[4]

ظفر اقبال ظفر کی آزاد نظمیں جہاں اہل بیتؑ کا دکھ بیان کرتی ہیں وہاں ملت اسلامیہ کو عمل اور عزم کی بھی تلقین کرتی ہیں۔ دراصل ظفر اقبال ظفر نے نہایت سلیقے سے شجاعت حسینؓ، عزم حسینؓ اور کار حسینؓ کو منظوم کر کے غم حسینؓ کو ماتم و سینہ کوبی کا رنگ دینے والے عزاداران حسینؓ کو مکتب حسینؓ، مقصد حسینؓ، اور فکر حسینؓ کی طرف متوجہ کیا ہے:

میں ہوں شاعر حسینی تو ہے ذاکر حسینی
مری فکر کربلا ہے ترا ذکر کربلا ہے
کہ لہو فروش میں بھی
کہ لہو فروش تو بھی
میرا ذوق رشکِ مجلس
ترا شوق اشکِ مجلس[5]

ظفر اقبال ظفر کربلا کی منفرد انداز میں بات کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ امام عالی مقام نے دین کی خاطر جو قربانیاں دیں اس کا خراج محض آہ و بکا کی صورت دیا جاتا ہے۔ اُس قربانی میں پوشیدہ عظیم مقصد کی پیروی نہیں کی جاتی۔ اسی حوالے سے ان کے مکتب شناس دانشور سید ضیا ترمذی رقم طراز ہیں:

> ''جس انداز سے ظفر اقبال ظفر نے کربلا پر نگاہ ڈالی وہ قطعی منفرد ہے۔ انھیں بجا طور پر ''مفکر کربلا'' کہا جا سکتا ہے کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مدینہ سے کربلا تک امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا۔''(6)

ظفر اقبال ظفر کی تیسری کتاب ''معاف کرنا حسین'' بھی حسینیت کے فلسفے پر مبنی ہے۔ان کے کلام میں دکھی دل کی صدا کے ساتھ یہ تڑپ بھی موجزن رہتی ہے کہ ظلم کے خلاف کوئی نعرہ الست بلند کیوں نہیں کرتا کہ یہی تو درس حسینؑ تھا۔ دراصل ظفر اقبال ظفر کی شاعری کا موضوع کربلا نہیں بلکہ حسینؑ ہے۔ جسے بہر حال کربلاؤں کا سفر طے کرنا پڑے گا۔ گویا ان کی شاعری عزادار نہیں بناتی بلکہ انصار حسینؑ بناتی ہے:

یہ فیصلہ حدیث کی رو سے قبول ہے
خونِ حسینؑ اصل میں خونِ رسول ہے
جس نے بھی سمجھا راز انا من الحسینؑ
وہ آل مصطفیؐ ترے قدموں کی دھول ہے [7]

ظفر اقبال ظفر نے اپنے چوتھے مجموعہ ''اگر حسینؑ نہ ہوتا'' میں بھی فلسفہ حسینیت کو ہی بیان کیا ہے۔ جس میں انھوں نے تمثیلی انداز اپناتے ہوئے موضوع کربلا کو ایک نئے رنگ سے آشنا کیا ہے۔

ظفر اقبال ظفر کی شاعری میں مرثیہ گوئی کی پرانی روایات بھی موجود ہیں اور عہد حاضر کے تقاضوں کے تناظر میں سانحہ کربلا کی تفہیم بھی۔ان کے ہاں مقتل حسین کی سفاکیوں اور وحشتوں کے ساتھ ساتھ مکتب حسینؑ کے تقاضے، فرائض، اہمیت اور حقیقتیں بھی ملتی ہیں:

تری کربلا الگ ہے، مری کربلا الگ ہے
ترا ترجماں ہے ذاکر، مرا ترجماں مفکر
تری کربلا ہے مقتل، مری کربلا ہے مکتب
تری کربلا میں رسمیں، مری کربلا میں مذہب [8]

ظفر اقبال ظفر نے رثائی ادب میں مقتل حسینؑ کے بجائے مکتب حسینؑ کی جو راہ دکھائی ہے اس کا قطعا یہ مطلب نہیں کہ وہ موضوع سے ہٹ گئے ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے روح حسینؑ کی بات قاری تک پہنچائی ہے کہ محض سوگواری و عزاداری ہی مومن کی شان نہیں اور نہ ہی وہ لوگ حسینؑ کے وارثوں میں سے ہیں جنہیں غم حسینؑ صرف ان کی شہادت کے دنوں میں یاد آتا ہے:

یہ کیسی لذتِ گریہ ملی ہے ماتم میں
حسین یاد بھی آیا تو بس محرم میں

یہ فکر غم ہے، غم فکر اور منزل ہے
حسینیت بھی تو تحلیل ہو ذرا غم میں[9]

ظفر اقبال ظفر کے رثائی ادب کا فنی جائزہ لینے سے جو ایک بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے اولین شعری مجموعے سے لے کر پچھلے شعری اظہار ''حسین کا انتظار مت کر'' تک ان کا کلام ابلاغ و تبلیغ کے فکری محاسن کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی تمام خوبیوں کی مرصع کاری سے مزین ہے۔ ان کا رثائی کلام خوبصورت الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات تلمیحات، صنایع لفظی و صنایع معنوی کے ساتھ ساتھ مقصدیت اور فکری ابلاغ کا حامل ہے۔

ظفر اقبال ظفر نے جن اصناف سخن کو اپنا پیمانہ اظہار بنایا، ان میں غزلیہ ہئیت کی نظمیں، قطعات، رباعیات اور آزاد نظمیں وغیرہ شامل ہیں، جن میں انھوں نے قدم قدم پر خودداری، عزت و حمیت اور آزادی پر زور دیا ہے۔ ان کے تمام رثائی شعری مجموعوں کے مطالعے سے ایک خوش گوار حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے مرثیہ گوئی میں الفاظ و تراکیب کے نازک پل صراط بڑی سہولت سے عبور کیے اور بے شمار نادر تراکیب متعارف کرائیں۔ ظفر اقبال ظفر کے ہاں لفظوں کے چناؤ اور اسلوب بیان میں ایک خاص تنوع موجود ہے۔ اُن کی شاعری میں مرثیے کی چودہ سو سالہ روایت اور سانحہ کربلا کی نئی تفہیم عصری شعور کے ساتھ موجود ہے۔

مرثیے کی روایت میں میر انیس نے لفظی پیکر تراشی اور مرقع نگاری میں جو بلند مقام حاصل کیا اُسے بعد کے شعراء نے بھی عہد بہ عہد اپنے اپنے اسلوب میں جاری رکھا۔ ظفر اقبال ظفر نے بھی مرثیہ کی صنف میں قابل ستائش مرقع نگاری کی ہے:

ایک لاشے پہ کھڑی سوچ رہی ہے زینبؑ
گھر سے نکلی تھی میں اکبر کی جوانی لے کر[10]

ظفر اقبال ظفر کے شعری اظہار میں علم بیان اور صنائع بدائع سے واقفیت و ادراک کا پورا شعور موجود ہے:

ترا لہو لہو چہرہ بھی جرأتوں کی کتاب

تری بجھی ہوئی آنکھیں بھی روشنی کے چراغ[11]

صنعت مراجعہ کا شمار اردو کی کلاسیکی شاعری میں محاسن شاعری کی اعلیٰ صنعت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ صنعت مراجعہ میں سوال و جواب کی فضا سے مکالماتی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مرثیے کی بنت کاری میں ظفر اقبال ظفر نے بھی آزاد نظم کی ہیئت میں صنعت مراجعہ کا انداز اختیار کیا ہے:

خدا نے حسنِ کائنات سے سوال کر دیا
ترے جمالِ رنگ و بُو کی ہر صدی ملول ہے
عجیب غم کا طول ہے
تری نمود دلکشی کو رنگ اور چاہئے امنگ اور چاہیے
خدا سے حُسن کائنات نے فقط یہی کہا
مجھے حسین چاہیے[12]

اردو شاعری کی روایت میں تلمیحات کو شکوہ کلام کا درجہ حاصل ہے۔ ظفر اقبال ظفر نے بھی حسینیت اور مقصد حسینیت کے وسیع تر مضمون میں تلمیحات کا استعمال کر کے ابلاغ و تبلیغ کی شاعرانہ ذمہ داری ادا کی ہے:

کوئی طورِ عشق ہے منتظر
نہ کلیم ہے نہ کلام ہے[13]

ظفر اقبال ظفر کے کلام میں جا بجا صنعت تکرار کی بھی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں:

قیامت وقت سے پہلے بھی آجاتی ہے خیموں پر
ضروری کیا قیامت بھی قیامت میں نظر آئے[14]

ظفر اقبال ظفر نے مرثیہ جیسی محتاط صنف سخن میں غیر منقوط شاعری کا کامیاب تجربہ بھی کیا ہے:

وہی طلوعِ سال ہے، محرم الحرام ہے
وہی الم، وہی لہو، اسی کا اسم عام ہے[15]

مختصر یہ کہ ظفر اقبال ظفر نے آج کے دور کے تناظر میں مقصد حسینیتؑ واضح کیا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کے لیے تیار کیا ہے کہ دین کی سربلندی کی خاطر انھیں ہر دور میں یزیدیت اور باطل کا سامنا کرنا پڑے

گا تاہم صبر واستقامت سے ہر جنگ جیتی جا سکتی ہے البتہ باطل سے سمجھوتا کسی صورت جائز نہیں۔ یہی امام عالی مقامؑ کا پیغام ہے جو ظفر اقبال ظفر نے اپنے کلام کے ذریعے آج کے مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

حوالہ جات:

1 عاصی کرنالی، ''اظہار خیال''، مشمولہ: حسین تیرا عجیب دل ہے، ظفر اقبال ظفر، (شجاع آباد: ثاقب پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص۵۔

2 ظفر اقبال ظفر، حسین تیرا عجیب دل ہے، ص۸۸۔

3 ایضاً، ص۲۶۔

4 ایضاً، ص۵۳۔

5 ظفر اقبال ظفر، کربلا تک تو چلو، (شجاع آباد: ثاقب پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص۷۷۔

6 ضیا ترمذی، ''دیباچہ''، مشمولہ: کربلا تک تو چلو، ص۱۱۔

7 ظفر اقبال ظفر، معاف کرنا حسین، (شجاع آباد: ثاقب پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص۲۰۔

8 ظفر اقبال ظفر، حسین سجدے میں، (شجاع آباد: ثاقب پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص۴۱۔

9 ظفر اقبال ظفر، حسین کا انتظار مت کر، (شجاع آباد: ثاقب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص۲۶۔

10 ظفر اقبال ظفر، کربلا تک تو چلو، ص۵۳۔

11 ظفر اقبال ظفر، حسین تیرا عجیب دل ہے، ص۶۵۔

12 ایضاً، ص۳۵۔

13 ظفر اقبال ظفر، حسین کا انتظار مت کر، ص۷۔

14 ظفر اقبال ظفر، حسین سجدے میں، ص۸۷۔

15 ظفر اقبال ظفر، معاف کرنا حسین، ص۳۳۔